

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

بالا غروی ہوا جس کی توقع ایک عرصہ سے کی جا رہی تھی۔ یعنی عراق میں فخر بادشاہت خود اس کے اپنے محافظین کے ہاتھوں منہدم ہوا اور ملک کی عنانِ اقتدار نہایت اود اس کے مصاحبین کے ہاتھوں سے نکل کر نوج کے قبضہ میں آگئی۔ اس تبدیلی کے جو وسیع اثرات ملک اور بیرون ملک پر مرتب ہونگے وہ تو بطنِ مستقبل میں پنہاں ہیں۔ اس وقت جبکہ سیاسی فضا تلاطم خیز ہے اور لوگوں کے جذبات میں ہرجاں ہے اس کے نتائج کا تعین کرنا ہمارے لیے مشکل معلوم ہوتا ہے۔ ان حالات میں ہم صرف اللہ کے حضور میں دعا گو ہیں کہ رب العالمین اس انقلاب کو، جو فی الحال افراد کی تبدیلی تک محدود ہے، مکرر نگاہ کے انقلاب کا پیش خیمہ بنائے اور اسے نوعِ انسانی خصوصاً ملتِ میضات کے حق میں موجبِ فلاح و برکت ثابت کرے۔ ہم ان صفحات میں اس مسئلہ پر جس نقطہ نظر سے غور کرنا چاہتے ہیں وہ سر اسرار کا عبرتی پہلو ہے کیونکہ ایک مسلمان کو اس قسم کے حالات و واقعات میں ہمیشہ یہی پہلو ملحوظِ خاطر رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔

ہر وہ فرد جو اپنے پہلو میں دل رکھتا ہے جس کے دماغ میں غور و فکر کی کچھ بھی صلاحیت باقی ہے، جس کی آنکھوں میں بصارت کے علاوہ نورِ بصیرت بھی موجود ہے جس کی طبیعت بے حس اور جس کے احساسات کند نہیں ہو گئے، وہ اس انقلاب میں دنیاوی اقتدار اور جاہ و جلال کی بے ثباتی کی مکمل تصویر دیکھ سکتا ہے۔ ابھی کل تک جن اشخاص کے حکم کا سکہ پورے ملک میں چل رہا تھا، اختلاف جن کے سامنے دم بخود تنقید جن کے رد و تہرہ لب اور آزادی جن کے حضور سینے پر ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ الغرض جو وہاں کے ہر سفید و سیاہ کے مالک تھے اور یہ قولِ شفعے پرندے تک بھی جن کی اجازت کے بغیر پرندہ مار

سکتے تھے، وہ آٹا فانا گس بے دردی سے اپنی ہی رعایا کے ہاتھوں سے — کسی دشمن کے نہیں — خود اپنے ہی غلاموں، چاکروں، ماتحتوں بلکہ جان نثاروں کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ شہر میں کوئی بھی مونس، غم خوار اور پناہ دینے والا باقی نہ رہا یہ سب بساط دم کے دم میں اٹل کر رہ گئی۔ فدا یوں نے چشمِ زون میں پتلیں پھیر لیں، مصاحبوں نے یک لخت ساتھ چھوڑ دیا، نہ کسی نے جنازہ اٹھایا، نہ ہی ان کی یاد میں کوئی آہ و فغاں اٹھی، نہ کوئی مقبرہ تعمیر ہوا۔ خدا معلوم ان بیچاروں کو غسل اور نماز جنازہ تک بھی نصیب ہوئی یا نہیں۔ یہی ہے وہ دیہوی افتدار، یہ ہے شاہناہ جادو جلال، جس کی ہوس میں آدمی اندھا ہو جاتا ہے۔

یوں تو اس تغیرِ آبادِ عالم کی کسی شے کو بھی ثبات نصیب نہیں لیکن یہاں بلاشبہ سب سے زیادہ ناپائیدار چیز وہ ہے جسے بالعموم لوگ دنیاوی افتدار کے نام سے موسوم کرتے ہیں مگر کی کا جالاجی کچھ بنیاد رکھتا ہے مگر ایوانِ افتدار کی بنیاد تو بیتِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے مگر اسی افتدار کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ یہ اپنے اندر بڑی کشش اور جاذبیت رکھتا ہے۔ لوگ اس پر بڑی جلدی فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے قبضہ و اختیار کے لیے بنی نوع انسان کے ساتھ طرح طرح کے شرمناک کھیل کھیلتے ہیں، دوستوں اور دشمنوں سے قسم قسم کی چالاکیاں اور عیاریاں کرتے ہیں، اور اس راہ میں اپنے دینِ ایمان اور ضمیرِ مک کی قربانی دینے سے گریز نہیں کرتے۔ وہ اس لیے دغا و استغما کی محبت میں سرشار ہو کر بسا اوقات اس بڑی حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ یہ افتدار بھی کائنات کی ہر دوسری چیز کی طرح فانی ہے اور یہ بھی قادرِ مطلق کے ایک انہی اور ابدی قانون کا پابند ہے اور اسے بھی ایک لگے بندھے ضابطے کے تحت خافیا کائنات مختلف ہاتھوں میں منتقل کرنا رہتا ہے :-

قُلِ اللّٰهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تُؤْتِي الْمَلِكَ
مَنْ تَشَاءُ وَيَنْزِعُ الْمَلِكَ مِنْ تَشَاءُ وَتُعْزِزُ مَنْ
تَشَاءُ وَتُزِيلُ مَنْ تَشَاءُ وَبِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ
عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

کہو: خدا یا مالک کے مالک تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے۔ بھلائی تیرے اختیار میں ہے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اقتدار کی اس بے ثباتی کو دیکھ کر ممکن ہے کسی شخص کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ جس چیز کو قطعاً کوئی سکون قرار نہیں دے قابلِ صدمت ہے لہذا اُس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ استدلال کا یہ طریق ہمارے نزدیک صحیح نہیں کسی چیز کے ناپائدار ہونے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ ہر لحاظ سے غیر مفید اور بے کار ہے بلکہ اس کے بارے میں صحیح رویہ یہ ہے کہ اُس پر ہمیشہ کے لیے تکیہ نہ کیا جائے۔ ہم اس شخص کو بڑا عقلمند سمجھتے ہیں جو ایک حقیقت پسند انسان کی طرح اقتدار کی اس دھندلی چھاؤں کو بغیر ہڈی پر ادبے ثبات سمجھتے ہوئے اس سے دل نہیں لگاتا۔ البتہ اس کے سامنے میں بوقتِ ضرورت سستا ماضود ہے تاکہ تازہ دم ہو کر ابدی جنت کی تلاش زیادہ قوت اور طاقت کے ساتھ کر سکے۔ ہمارے خیال میں اس حق وہ خیر ہے جو اس کی "اعتباری چیز" کو ازلی وابدی چیز سمجھ بیٹھتا ہے۔ اگر کسی غیر فانی چیز کے حصول کے لیے کسی فانی شے سے تدبیرِ متزل کا کام لے لیا جائے تو یہ عین منشا ئے قدرت ہے۔ نادانی اگر کچھ ہے تو وہ یہ کہ کوئی فائر العقل کسی ناپائدار چیز کے حاصل کرنے کے لیے وہ تدابیر اختیار کرے جن سے اُسے اُن بیش بہا اور لازوال خزانوں سے دست بردار ہونا پڑے جنہیں دین کی اصطلاح میں ایمان اور فلاحِ آخرت کہا جاتا ہے۔

اقتدار اپنی ناپائداری کے باوجود اپنی فائزات میں نہ سراپا خیر ہے نہ شر۔ یہ ایک آزمائش ہے اس میں کامیابی دنیا اور آخرت کی کامرانی کا باعث بھی بن سکتی ہے اور بسا اوقات اس میں ناکامی انسان کو ایک ایسے مقام پر لے جاتی ہے جہاں دنیاوی بربادی اور آخری خسران دونوں اُس کے حصے میں آتے ہیں۔ لہذا اس کے نافع اور ضرر د سال ہونے کا انحصار اُن لوگوں کی سیرت و کردار پر ہے جو اس پر قابض ہوں۔ ہلاکت خیر اقتدار وہ ہے جس کو حاصل کرنے کے بعد بعض کم ظرف لوگ خدا کی اس زمین میں ظلم و جبر، عیش و عشرت، جہالت و سفاہت کے بحسمے بن جاتے ہیں۔ خونریزی، سفاکی اور زیر دست آئاری اُن کی زندگی کے رہنما اصول قرار پاتے ہیں۔ وہ لاکھوں کروڑوں مظلوم بندگانِ خدا کو ہلاک کرتے ہیں تاکہ اپنے اور اپنے مخصوص گروہ کی ہموار ہوئیں کی تسکین کا سامان فراہم کریں۔ یہی وہ اقتدار ہے جس کی تصویر ہمیں فرامند اور نمار وہ کے قصص میں ملتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

اسی قسم کے ایک ظالمانہ اقتدار کا ذکر سورۃ یونس میں مختصر مگر لطیفانہ انداز میں کیا ہے اور پھر اسی کی بربادی کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور میں ان الفاظ میں دعا کی:

رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ فَتَوَعُّونَ وَمَلَأُوْكَ
زَيْنَةً وَّامَوَالًا فَاِنِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا رَبَّنَا لَیْلٌ مِّنْ لَّیْلٍ
عَنْ سَبِيْلِكَ جَزَيْنَا طٰمِسٌ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ
وَاَسْتَدْوَوْا عَلٰی تُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا اَحْتٰی تَزِدَّ
الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ

اے رب! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں زینت اور اموال سے نواز رکھا ہے۔ لے رب! اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے ٹھکاتے ہیں۔ اے رب! ان کے مال غارت کر دے اور ان کے دلوں پر ایسی مہر کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

اقتدار کی دوسری قسم وہ ہے جس کا مطالعہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان الفاظ میں کیا تھا۔
قَالَ اَجْعَلْنِیْ فِیْ خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ
مِنْ حَافِظِیْنَہُمْ

یوسف نے کہا، ملک کے خزانے میرے سپرد کیجیے۔ میں حفاظت کرنے والا ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں۔
یہ اقتدار وہ ہے جس کا مقصد نوع انسانی کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کرنا، دنیا کی تنگی سے نجات دے کر وسعت و کشائش کی راہ دکھانا، اور ظلم و جور سے بچا کر عدل و انصاف کی فضا میں لانا ہے۔ اس کے تحت رہنے والے لوگوں کے مابین براہ راست محبت قائم ہوتی ہے۔ مختلف طبقوں سے شریف اور کمزور کی مصنوعی تقسیم ٹوٹتی ہے اور انسانیت کے لیے ایک ایسا ماحول تیار ہوتا ہے جس میں ہر فرد کو اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا پورا موقع ملتا ہے۔ اس اقتدار کے سایہ میں جو معاشرتی، سیاسی اور معاشی فضا پیدا ہوتی ہے اس میں اسلام کی اقدار حیات پر و ان چڑھتی ہیں اور وہ برائیاں مٹی چلی جاتی ہیں جنہیں اسلام اس دنیا سے نیست و نابود کرنے کا غم رکھتا ہے۔ قرآن حکیم نے اس اقتدار کے مقصد و حید کو اس طرح بیان کیا ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنَّہُمْ فِی الْاَرْضِیْنَ اَنَامُوْا
یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار عطا کریں تو

الصَّلَاةَ وَالزَّكَاةَ وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ
وَنَهْوَ عَنِ الْمُنْكَرِ (الحج-۶)

یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے
اور بدی سے روکیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی حقیقت کو اپنے ایک خطبہ اس طرح ارشاد فرمایا:
عن عروۃ قال خطب ابو بکرؓ فحمد
اللہ واثنی علیہ ثم قال اما بعد فانی
ولیت امرکم ولست بخیرکم وکنہ نزل
القرآن وسن النبی وعلمننا وفعلنا وان
اقولکم عندی الضعیف حتی آخذ لہ
یحقہ وان اضعفکم عندی القوی حتی آخذ
منہ الحق۔ ایہا الناس انا انا متبع ولست
بمبتدع فان انا احسنت فاعینونی وان انا
زغت فقومونی اقول قریٰ ہذا و استغفر
اللہ لی ولکم۔

حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ نے
خطبہ دیا۔ اول اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور پھر فرمایا
میں تمہارا امیر بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں
لیکن قرآن کریم نازل ہوا اور نبی اکرمؐ نے اپنی سنت کو
بیان فرمایا۔ ہم نے ان کو سیکھا اور ان پر عمل کیا اور بلاشبہ
تمہارے زیر دست لوگ میرے لیے اس وقت تک
کمزور ہیں جیت تک میں ان سے واجب شدہ حق دے
لوں۔ اور بلاشبہ تمہارے کمزور لوگ میرے پاس اس وقت
تک زیر دست نہیں جیت تک کہ میں ان کا منصب شدہ
حق واپس نہ دلا دوں۔ گو میں حکام اسلام کا پیروں کی پیروی کرتا ہوں
ہوں پس اگر میں نیکی کی زندگی اختیار کروں تو میری مدد کرو
اور اگر کجی اختیار کروں تو مجھے سبھا کرو۔ میں یہی باتیں
کہتا ہوں اور اپنے اور تمہارے لیے خدا سے مغفرت چاہتا ہوں

ر کتاب الاموال لابن عبید

پھر اسی سلسلہ میں اس بڑی حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اس اقتدار کی غواہش جس کے
پیچھے نظام اسلامی برپا کرنے کا داعیہ ہوا، اُس دنیوی اقتدار سے بالکل مختلف چیز ہے جس کا محرک اپنے
یا اپنے خاندان کی سطوت اور کبر یا بی قائم کرنا ہے اس لیے ان دونوں کو خلط ملط کر کے ان پر ایک حکم
نہیں لگایا جاسکتا۔ جو لوگ اپنے شخص یا خاندان یا قومی اقتدار کے خواہشمند ہوتے ہیں انہیں جب اقتدار

نصیب ہوتا ہے تو یہ وہ انعام نہیں ہے جو اللہ کی رضا کے نتیجہ میں حاصل ہوا کرتا ہے بلکہ یہ خالص نیا پرستی کے نتیجہ میں حاصل ہونے والا نفع ہے۔ بخلاف اس کے جس اقتدار سے غرض یہ ہو کہ کفر کا غلبہ مٹے اور خدا کی زمین پر اس کا دین غالب ہو، اس کے مقصود و مطلب ہونے سے صرف وہی لوگ انکار کر سکتے ہیں جو دین اسلام کو محض سطحی طور سے جانتے ہیں اور اس کے اجتماعی تقاضوں سے یکسر غافل رہتے ہیں۔

”لذیذ بود حکایت دراز تر گفتیم“ بات کہیں سے کہیں نکل گئی۔ اصل چیز اس انقلاب عراق کے بارے میں جو ہم کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ پچھلی ایک ڈیڑھ صدی سے مسلمان حکومتیں بنی یڑ زیر ہو رہی ہیں۔ کیا یہ محض بخت و اتفاق ہے یا اس کے پس پردہ کوئی ایسے گہرے اسباب ہیں جن کی بنا پر ان میں ہر وقت سیاسی زلزلے آتے رہتے ہیں۔ جہاں تک ہم حالات کا تجزیہ کر سکے ہیں ہم اس انار کی کو کسی وقتی سبب کا نتیجہ نہیں سمجھتے بلکہ ہمارے نزدیک اس کے مستقل وجوہ ہیں۔ سب سے بڑی وجہ ہمارے خیال میں یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت بیشتر محکومتیں عوام کے جذبات کی نمائندہ نہیں بلکہ کچھ لوگ محض جبر و استبداد اور سیاسی سازشوں کی مدد سے ایوان اقتدار پر قابض ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ یونانی دیوتاؤں کی طرح ملک کے عام باشندوں، اُن کی ضروریات اور احساسات سے یکسر بے پروا رہتے ہیں اور اپنا سارا وقت اپنے شہنشاہوں میں داخل و اعلیٰ دینے ہوئے صرف کرتے ہیں۔ انہیں کچھ علم نہیں ہوتا کہ ملک میں کیا کچھ ہمارا ہے ان لوگوں کی ان کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر خوشامدی مصاحب انہیں ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں اور اُن کی منقبت کا نشہ پلا کر غلطیوں کے چکر میں ایسا پھنساتے ہیں کہ صرف شاہی خاندان ہی نہیں بلکہ پوری مملکت تباہی و بربادی کی راہ پر چل پڑتی ہے۔ سلطنت کمزور ہوتی ہے اور وہ ان حبش کو شوں کو لقیں دلاتے چلے جاتے ہیں کہ حضور کی طاقت آسمان پر جا رہی ہے۔ دشمن اندر ہی اندر پورے ملک میں ڈانٹا میٹ بچھانے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور وہ غفلت کے مانوں کو اطمینان دلاتے ہیں کہ حضور کا اقتدار زرتی پر ہے۔ یہ مصاحبین اپنے مخصوص مفادات کی خاطر ہمیشہ اس امر کے لیے کوشاں رہتے ہیں کہ بادشاہوں تک کوئی نیک مشورہ، کوئی حق بات پہنچنے ہی نہ پائے تاکہ اُن کی عشرت رانیوں میں کوئی بدمزگی نہ پیدا ہو۔

ان کے درباروں میں قدر و منزلت صرف انہی لوگوں کے حصہ میں آتی ہے جو دنیا کی ساری تلخ اور شیریں حقیقتوں کو بادشاہوں کی خواہشات کے مطابق ڈھال دیں۔ ظاہر بات ہے کہ اس قسم کے خوشامدہ ماحول میں کوئی ناصح منیر، کوئی حق گو عالم کوئی دوراندیش اور معاملہ فہم انسان کس طرح بار پا سکتا ہے اور بالفرض اگر بار پا بھی لے تو کس طرح باقی رہ سکتا ہے۔ جن بداندیشوں کا مقصد ہی یہ ہو کہ وہ بادشاہوں کو حالات سے یکسر غافل رکھیں اور جب کبھی وہ خواب غفلت سے بیدار ہونے پائیں تو فوراً ایفون کے بہت سے انٹے اور شراب کے ساغر پلا کر انہیں بدست کر دیں، وہ کس طرح نیک اور متدین آدمیوں کے وجود کو گوارا کر سکتے ہیں۔ بد معاشوں کی ٹولی جب کبھی اپنے سامنے اس قسم کا ”خطرہ“ دیکھ لیتی ہے تو وہ اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے ایک ایسی سازش کا انتظام کرتی ہے جس کے تہ دام ”ناصر“ صاحب پھر پڑا کر اپنی جان ہی قربان کر بیٹھتے ہیں۔

بادشاہت کی یہ روش صرف افراد تک ہی محدود نہیں بلکہ اجتماعی حیثیت سے بھی اس قسم کے اقتدار کے تحت صرف انہی تحریکات کی پشت پناہی کی جاتی ہے جن سے ملک کے اندر عیش و تنعم بڑھے، فحاشی بے حیائی اور عوامی کوتاہی نصیب ہو اور بد اخلاقی کا طوفان اس قدر زور سے اٹھے کہ سارے لوگ اس کی لپیٹ میں آجائیں اور اس طرح کوئی شخص بھی دوسرے کو ٹوکنے کی جسارت نہ کر سکے۔ مسلمان ممالک میں اسلامی اہدینہ تحریکات کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کیا جا رہا ہے وہ اتنی دلچسپ اور استہسان ہے کہ اس کے تصور سے بھی جم پر لڑہ طاری ہو جاتا ہے۔ عرب ممالک کی مشہور اصلاحی تحریک الاخوان المسلمون پر جو مظالم مصر میں ڈھائے گئے ہیں یا ڈھائے جا رہے ہیں وہ وہاں کے اصحاب اقتدار کے مجرم ضمیر کی ہڈی بولتی تصویریں ہیں۔ اس قسم کے کم ظرف لوگ جو محض سازشوں اور جبر و استبداد کے بل پر مست اقتدار پر آگئے ہوں کس طرح امن و چین کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ اس لیے اگر ان ممالک کی فضا شعلہ جوالہ بنی ہے تو اس میں کوئی اچھے کی بات نہیں بلکہ یہ تو حالات کا عین تقاضا۔

اسے مسلمان ملک کی بدقسمتی کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ دنیا نے آج تک اجتماعی زندگی کے بارے میں جتنے مفید سبق سیکھے ہیں وہاں نہ صرف ان سب کو پہلا دیا جاتا ہے بلکہ ان غلطیوں کو بار بار دہرایا بھی جاتا ہے۔ مثال کے طور پر فوج کے غلط استعمال کو ہی لیجیے۔ ہر معمولی عقل و خرد و شعور والا آدمی بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ فوج اپنے ملک پر حکومت کرنے کے لیے نہیں بلکہ ملک کو بیرونی دشمنوں سے بچانے کے لیے منظم کی جاتی ہے اس وجہ سے دنیا کے تمام عقلمند لوگ ملکی معاملات میں فوج کی دخل اندازیوں کو پسند نہیں کرتے۔ مگر ہماری شومئی قسمت کہ جو لوگ ہمارے ہاں اقتدار پر قابض ہیں وہ چونکہ عوامی تائید کی قوت سے محروم ہیں اس لیے وہ اس کمی کو فوج کی طاقت اور پشت پناہی سے پورا کرتے ہیں۔ جہاں کسی حلقہ میں تھوڑا سا اضطراب یا عدم اطمینان دکھائی دیا اسے فوراً فوج کی مدد سے دبا دیا۔ بظاہر یہ نسخہ جبرستاً اعلیٰ سامان ہے لیکن اس کے نتائج ملک، قوم، اصحاب اقتدار اور خود فوج کے حق میں نہایت مہلک ہوتے ہیں۔ اس کا پہلا اثر یہ پڑتا ہے کہ ملک کے باشندے خود اپنی فوج سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ اور ملک کی حفاظت کے لیے فوج اور قوم کا تعاون ممکن نہیں رہتا۔ یہ صورتِ حالات سامراجی من چلوں کے لیے بڑی ہی حوصلہ افزا ثابت ہوتی ہے اور اس سے بسا اوقات ملک کی آزادی پر آمینتی ہے۔

فوجی افسروں کے منہ کو جب ایک دفعہ اقتدار کا خون لگ جاتا ہے تو پھر وہی فوج کا نظم و تدبیر ہو جاتا ہے ملک کے یہ پاسان ہمیشہ اس ناک میں رہتے ہیں کہ باہر چاہے انہیں کچھ فتح کا موقع ملے یا نہ ملے مگر انہیں گھر کو ضرور فتح کر دینا چاہیے۔ اگر اخلاقی حیثیت سے اس معاملہ کو دیکھا جائے تو یہ بے حد افسوسناک ہے۔ اس سے بڑی غداری اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک فوج جن لوگوں کے رُپے سے منظم اور مسلح ہوتی ہے وہ طاقت پا کر خود اپنی قوم کی گردن پر ہی سوار ہو جائے اور سنگین کی نوک سے ملک میں اپنا حکم منوانا شروع کر دے۔

معاملہ صرف ایک انقلاب تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ فوجی انقلاب ایک ایسا شیطانی چکر

ہے کہ اگر کوئی ملک بد مستی سے اس میں ایک دفعہ گرفتار ہو جائے تو اس سے بچ نکلنے کی کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ ایسا ملک پیہم انقلاب اور ناگہانی تغیرات کی آماج گاہ بن جاتا ہے اور کشمکش اور چین جھپٹ کی جو بیماری سیاسی پارٹیوں سے نکل کر فوج کے مختلف طبقوں میں سرایت کرنا شروع کر دیتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے جو معاملات بساط سیاست پر سیاسی جوڑ توڑ سے طے کیے جاتے تھے اب ان کے فیصلے کے لیے قاضی شمشیر کی طرف رجوع کرنا بالکل ناگزیر ہو جاتا ہے اور یہ قاضی اپنے مزاج کے اعتبار سے اس قسم کا بے حس واقع ہوتا ہے کہ اسے اگر ایک مرتبہ عدالت کی کرسی پر نہیں کر دیا جائے تو پھر یہ اس وقت تک چین نہیں یقیناً تک کہ سارا ملک ناخست و ناراج نہ کر دیا جائے۔

اس کے علاوہ فوجی انقلاب ہمیشہ فوجی آمریت پر منتج ہوتا ہے۔ انقلاب کے وقت خواہ کفر سے کتنے ہی غش کن اور احساسات و جذبات خواہ کتنے پاکیزہ ہوں لیکن یہ انقلاب اپنی کامیابی اور نیکلے لیے اس بات پر مجبور ہے کہ کسی ایسے جاہلانہ نظام کو ختم دے جس میں نہ صرف لوگوں کے جسم گرفتار ہوں بلکہ ان کی روح بھی پابہ زنجیر رہے۔ اور لوگ دم بخود ہو کر ان فوجی آمروں کے افعال و اعمال دیکھتے چلے جائیں۔ پوری قوم بھڑکے گی اور ایک بے زبان گلہ بن کر رہے جسے ”مصلحین قوم“ میکا کی طور پر جس طرف چاہیں ہانک کر لے جائیں۔

آپ اگر اس صورت حال پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ دنیا کی کوئی قوم بھی اس حالت پر دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ اس کو بزور ارکھنے کے لیے عجیب و غریب قسم کی قریب کاریاں کی جاتی ہیں۔ سب سے پہلے فوجی آمر کے کارناموں کو بڑے ہی مصنوعی انداز سے بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے تاکہ یہ آمر ایک عام انسان کی بجائے فوق البشر دکھائی دے اور قوم اسے اپنا واحد نجات دہندہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو۔ چنانچہ آپ دیکھیے ان فوجی آمروں کی کارگزاریوں کو کس مبالغہ آمیزی کے ساتھ مختلف طریقوں سے نشر کیا جا رہا ہے اور قوم کے ذہن میں یہ خیال راسخ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ان لوگوں کے کلانے

بالکل غیر معمولی ہیں۔ لیکن یہ قریب بھی کوئی ایسا نہیں جو دیر تک چل سکے۔ دوسرے قوم کی ذہنی تربیت کے لیے ایک ایسا پروگرام طے کیا جاتا ہے جس سے وہ ہر معاملہ کو فہم و فراست کی معنوں میں ان پر کرنے کی بجائے اُسے جذبات کی شدت و فانیوں سے حل کرتی ہے اور اندھی پیروی کی اتنی غور و نادی جاتی ہے کہ تباہ کن حوادث میں مبتلا ہونے کے بعد بھی اُس کی آنکھیں کھلنے نہیں پاتیں۔

اس قسم کی تلاطم خیز ذہنی کیفیت پیدا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جذبات کے سمندر میں طوفان اٹھائے جائیں۔ یہ کام معمولی طریقوں سے تو سر انجام نہیں پاسکتا اس کے لیے بڑے ہی غیر معمولی حربے استعمال کیے جاتے ہیں مثلاً سب سے پہلے پوری قوم کو ٹھوس حقائق کی دنیا سے نکال کر سینوں کی ایک ایسی فضا میں آباؤ کیا جاتا ہے جہاں وہ صرف آرزوؤں اور تمنائوں پر مرنا سیکھتی ہے جہاں وہ عقل کی بات نہ لے والوں کو دشمن اور خوش کن باتیں بنانے والوں کو دوست سمجھنے لگتی ہے، جہاں صرف خواب و خیال کی پرستش ہوتی ہے اور جہاں رہبران قوم کے اخلاقی اور ذہنی اوصاف نہیں دیکھے جاتے بلکہ صرف اس بات کا اندازہ کیا جاتا ہے کہ وہ لاف گراف میں کس قدر مشاق اور زبان کے استعمال میں کس حد تک مطلق العنان ہیں۔

پھر اس قوم کے بارے میں اس بات کا بھی الزام کیا جاتا ہے کہ اُس کے دل و دماغ پر مستقل خوف کی کیفیت طاری رہے تاکہ وہ اپنے بچاؤ اور حفاظت کے لیے ایک فوجی آمریت بخوشی قبول کرے۔ اس کے علاوہ قوم کے ذہن میں نسلی اور ملکی برتری کے بیج بوئے جاتے ہیں جو بہت جلد جارحانہ قوم پرستی کی صورت میں برومند ہوتے ہیں۔ دوسری عالمگیر جنگ میں جرمنی اور اٹلی میں جو کچھ ہوا یا عریب ممالک میں اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے وہ اسی ذہنی کیفیت کی عملی تعبیر ہے۔

اس صورت حال کے جو نتائج اس وقت ہمارے سامنے ہیں انہیں دیکھ کر ہر حساس مسلمان ٹپ اٹھتا ہے۔ آئے دن کے تغیرات نے بحیثیت مجموعی مسلمانوں کے وقار کو شدید نقصان پہنچا ہے۔ لوگ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ آخر مسلمانوں کو وہ کیا بیماری لاحق ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی

آزادی کا صحیح استعمال نہیں کر سکتے اور اپنی قومی طاقت کو آپس کی کشمکش میں تباہ کر رہے ہیں۔

یہ تغیرات چونکہ فوجی آمروں کے ذریعہ سے آرہے ہیں اس لیے ان میں باشندگان ملک کے افکار و اقدار و خواہشات کا احترام نہیں ہوتا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کچھ مدت کے جوش و خروش کے بعد جب لوگوں کی انگلیں پوری ہوتی نظر نہیں آتیں تو یا تو وہ ایک دوسرے انقلاب کے لیے نیاری کرتے ہیں یا دل برداشتہ ہو کر ملک اور ملک کے مسائل سے قطعاً دلچسپی لینا چھوڑ دیتے ہیں۔ ایک ظالم کو مسند اقتدار سے ہٹانا بلاشبہ ملک اور قوم کی بہت بڑی خدمت ہے لیکن اگر کچھ لوگ پہلے ظالموں کو ہٹا کر خود ملک پر مسلط ہو جائیں اور پھر اسی طرح کی ظالمانہ کارروائیاں کرنے لگیں جو ان کے پیشتر کرتے رہے ہیں تو اس سے اصلاح حال کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

پھر ان انقلابات کے محرکات بھی بہت حد تک منفی ہیں۔ اس لیے انقلاب آجانے کے بعد قوم کو سلبی احساسات کی غذا دی جاتی ہے۔ یہ احساسات یوں تو کسی قوم کے حق میں مفید اور کارآمد ثابت نہیں ہوتے مگر مسلمانوں کے لیے تو یہ بہت زیادہ ہلاکت خیز ہیں۔ ایک قوم جو مادی اعتبار سے دنیا کی دوسری اقوام سے کہیں زیادہ پست اور کمزور ہو اسے اگر جارحانہ قوم پرستی کے نشہ میں بدست کر کے خود اپنے بھائی بندوں سے لڑا دیا جائے تو اس سے بڑی حماقت اور کیا ہو سکتی ہے۔

یہ وہ وقت ہے جبکہ ہمارے فرمانرواؤں کو اپنی آنکھیں کھولنی چاہئیں۔ اپنے محلات میں بیٹھ کر وہ یہ نہ سمجھیں کہ آج سے ہزار سال پہلے کی فضا جیسی کہ ان کے محلوں کے اندر ہے ویسی باہر بھی موجود ہے۔ زمانہ قیامت کی چال چل گیا ہے، باہر انقلاب کی بڑی بڑی موجیں اٹھ رہی ہیں، وہ ان کے دروازوں پر دستک دے کر ان سے کچھ تعلق نہ کر رہی ہیں۔ ان سے صرف نظر کر کے چلنا کوئی دانشمندانہ فعل نہیں بلکہ اقتدار یا قیادت، خواہ وہ کسی نوعیت کی ہو، اس کے پھاؤ کی صورت صرف یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس جمہوری دور کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کر کے

عوام کو ان کے پورے پورے جمہوری حقوق ہم پہنچانے میں قطعاً بخل سے کام نہ لے اور جس حد تک بھی جمہور میں صلاحیت یا مانگ پیدا ہو گئی ہو، سیاسی اختیارات منسی خوشی ان کے حوالے کرتی چلی جائے بلکہ وہ لوگوں میں ان ذمہ داریوں کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کرے۔ نیز عوام کے تحقیقی مسائل کو سمجھے اور اپنی عیاشیوں میں مست رہنے کی بجائے ان کی ضروریات کو پورا کرنے کا انتظام کرے۔ علاوہ ازیں بین الاقوامی دھڑوں کی کشمکش اور دوطرفہ دلوپوسی نے جو احساسات بیدار کر دیئے ہیں ان کا شعور حاصل کرے اور ان کے مطابق حالات کو از خود بدلے۔ اس سلسلہ میں برطانیہ کی بہترین مثال ہمارے سامنے ہے جہاں کے حکمرانوں نے ایک اودھ انقلابی دھچکا کھینے کے بعد پھر عوام کے مطالبات کو پورا کرتے میں کبھی کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کی۔ تاریخ کے اس سبق کو اگر ہمارے مسلمان ممالک کے فرمانروا اور لیڈر عین اس لمحہ محسوس نہیں کریں گے تو پانچ محاسبات سال بھی ان کا اپنی شاہانہ مسندوں پر بے زبرد رہنا ممکن نہیں ہے۔ ہر شخص اور ہر ملت کے صبر کا ایک پیمانہ ہوتا ہے، اس میں غماہ کتنی ہی وسعت ہو مگر ایک حد ایسی ضرورتی ہے جہاں پہنچ کر وہ اپنی ساری وسعتوں کے باوجود جھپک پڑتا ہے۔ یہ حد بڑی ہی خطرناک اور ہلاکت خیز ہے۔ اس سے ہمارے اصحاب اقتدار کو بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ اگر یہ حضرات وقت کے اس مطالبہ کو پورا نہیں کریں گے تو زمانہ کی کروٹ انہیں اس مطالبہ کی تعمیل پر مجبور کرے گی۔ اور یہ تعمیل اکثر و بیشتر یہ لوگ شمشیر ہی ہوا کرتی ہے۔ یہ لوگ غالباً تاریخ کے ان رویہ فرماؤں کے تذکرہ دہ سے نا آشنا نہیں جن کے پندار و غور نے الوہیت کی صورت اختیار کر رکھی تھی، جنہوں نے خالق کی اس زمین پر اپنی سطوت و خدائی کا تخت بچھا رکھا تھا۔ زمانہ نے پھر جو شہر ان کا کیا وہ بھی ان سے پوشیدہ نہیں۔ اب یہ فیصلہ ان کے اپنے ہاتھ میں ہے کہ آیا وہ بھی یہی طرز عمل اختیار کر کے اسی انجام سے دوچار ہونا چاہتے ہیں یا اپنے لیے کوئی دوسری راہ منتخب کرتے ہیں۔

دوسری چیز جس کی طرف ہم توجہ دلانا نہایت ضروری سمجھتے ہیں وہ ہے مقصد اور نصب العین کا تعین دنیا کی قوموں میں شاید مسلمان ایک ایسی قوم ہے جو اس کا زارِ حیات میں بے مقصد جینے کے ہم تجربا کر رہی ہے۔ کبھی وہ میشنزم کو اپنا اصول زندگی بناتی ہے کبھی وہ بیرونی خطرات کا ڈر پیدا کر کے اپنے

اندر اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن بار بار کی ناکامیوں کے بعد بھی ابھی تک اُس نے اس حقیقت کا ادراک نہیں کیا کہ دونوں راستے اُسے کامیابی کی منزل تک نہیں لے جاسکتے نیشنلزم کو اپنانے کے بعد اس کی قوت بڑھنے کی بجائے گھٹے گی جہاں تک دُر کی کیفیات پیدا کرنے کا تعلق ہے ممکن ہے کہ اس ذریعہ سے وہ وقتی طور پر اپنے اختلافات کو دبا سکے، اپنی سوئی ہوئی قوتوں کو میدار کر سکے مگر اس سے کوئی تعمیری کام نہیں لیا جاسکتا۔ ڈراپنے فراج کے اعتبار سے کوئی پائدار چیز نہیں بلکہ یہ ایک وقتی چیز ہے اس پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انحصار کرنا سخت نا عاقبت اندیشی ہے۔ اپنی توسیع ترقی کے لیے تو ہمیں کوئی ایسی ایجابی چیز درکار ہے جو دائمی اور مستقل ہو جس کی قوت جاوہ سے ہم بڑ جائیں جس کی قوت محرکہ سے ہم متحرک ہو جائیں جس کی بدولت ہمارے اندر سعی و عمل کا ولولہ، کچھ ہونے کی تمنا اور اپنی قوتوں کو ایک راہ پر لگانے کا جذبہ پیدا ہو۔

مسلمانوں کی جگہ کوئی دوسری قوم ہوتی تو اس کے لیے یہ امر بجائے خود کافی پریشان کن ہوتا کہ وہ ایسا تخیل اور ایسا مقصد کہاں سے لائے۔ لیکن ہمارے پاس اسلام کی شکل میں یہ سب کچھ موجود ہے۔ صدیوں کی روایات نے اسے ہمارے دل و دماغ میں پوری طرح پیوست کر رکھا ہے۔ اس مقصد سے ہمیں صرف ذہنی اور فکری مناسبت ہی نہیں بلکہ اسے ہم نے جذبات اور احساسات کی آغوش میں پالا ہے۔ اس وجہ سے اس کے ساتھ ہمارا تعلق نہایت گہرا اور مضبوط ہے۔ یہ صرف ہماری غفلت ہے جس نے اسے مضلل کر رکھا ہے اور اسی کی بدولت ہم قوت و استحکام کے اس لازوال خزانے سے محروم ہیں جو ہمیں خالق کائنات نے دے رکھا ہے۔ اب وقت ہے کہ ہم اس کی طرف توجہ دیں اور اس کے ساتھ زبانی اشتغال پر قناعت کرنے کی بجائے بالفعل اس کو استعمال کریں۔ یہ مقصد نہ صرف ہمیں ایک دوسرے سے قریب کر دینگا بلکہ اپنی متغایطی قوت سے ہمیں ایک بنیاد پر مبنی بنا دینگا۔

ہمارے درمیان مغائرت کے جو پردے حائل ہیں وہ خود بخود اٹھنے چلے جائیں گے اور ہم سب خواہ کسی کا تعلق مصر سے ہو یا افغانستان سے، شاید علی الناس کی حیثیت سے اس دنیا میں

(بقیہ اشارات) ایک زبردست انقلابی طاقت بن کر اٹھیں گے۔ اُس وقت ہمیں اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے غیر مسلم اقوام کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا پڑے گا، بلکہ خود غیر مسلم اقوام اپنے معاملات کا تصفیہ کرنے کے لیے ہماری طرف رجوع کریں گی۔ ہم انشاء اللہ دنیا کی ایک بہت بڑی اخلاقی قوت ہوں گے جس سے پوری انسانیت کو امن و سکون حاصل ہوگا۔